۲۸۶

سلسلۂ انتخاب دواوین اساتذۂ اردو زبان

انتخابِ دیوان

جسکو

سید فضل الحسن حسرت موہانی اڈیٹر اردوئے معلی نے مرتب کرکے

اردو پریس علیگڈھ میں چھاپا
اور شایع کیا

انتخاب دیوان

مرزا قادر بخش صابر دہلوی

مسیحائی کرے کیونکر نہ انداز رہ میرا
بنا ہا شرم گر بسکہ اسقدر گردن کا خم میرا
گناہ عشق کی رنگت نے دلکو اور رونق دی
وہ میکش ہوں بجز انگور کچھ پیدا ہو ترابعد
مشرف ہو نہیں تشریف حیات جاودانی سے
بنا ہی کیا انہیں حرفوں نے شکل قفل ابجد وہ

انداز ہی کچھ ایسا رفتار نازنین کا
ہر شے ہی اُسکے تن میں تعریف سے مرکب
ہی شکست اعتقادی اتنی گراں بتونکی
گستاخیوں نے میری اچھی مصوری کی
مجبوری کی ہی شہادت اثبات راستی کا
اُس گلبدن کے رخ سے دلبستگی ہی سبکو
نقش قدم بنایا افتادگی نے مجھکو

شعلۂ حسن اُنکا بڑھ بڑھ کر نہاں ہوجائیگا
گر غبار دل بلند ای جانِ جاں ہوجائیگا
نقل کرتا ہی ہماری دشت وحشت راتدن
روز بڑھتا ہی صدسے بے حجابی کا خیال

کہ معجز آفریں ہی خامۂ مریم رقم میرا
کہ مثل حلقۂ پرکار ہی سر پر قدم میرا
سیہ بختی سے کعبہ بنگیا بیت الصنم میرا
جو تیری کشت پر برسے سحاب چشم نم میرا
وجود ظاہری کرتا ہی اثبات عدم میرا
لب جاں بند کو صابر کھولتا ہی حرف ذم میرا

لب پہ صدا ہی یا کے ہی جوش آفریں کا
ابرو بھی نون گویا ہی لفظ آفریں کا
اپنے سے ہی اُٹھانا مشکل ہمیں یقیں کا
نقشہ نیا بنایا اُس چشم سرمگیں کا
کہدیتا ہی حرف اکثر مہر کے نگیں کا
ہر قطرۂ عرق ہی غنچہ دل حزیں کا
میں زندگی میں صابر پیوند ہوں زمیں کا

سبزۂ خط جلے چہرے پہ زرد ہواں ہوجائیگا
آپ تو اپنی نگاہوں سے نہاں ہوجائیگا
دیکھنا اک دن ہمارا ہمزباں ہوجائیگا
وہی بے پردہ اُنکے میرے درمیاں ہوجائیگا

گر ہی یہ نالوں کا زور اور نرمی تن کا ہجوم
میکشوں سے اسقدر سختی نکر اے محتسب
دم بدم ہوتی ہی اے صابر نظر اپنی بلند
ایسا رکھتا کہاں ہی روئے پرنور آفتاب
جائے بیزاری ہی دنیا اسلئے رکھتا ہی پشت
کچھ نظر آتا نہیں مجکو فراقِ یار میں
جمع کر سامانِ غفلت تا میسر ہو فروغ
کسقدر شام و شبِ فرقت میں لگجاتی ہی جیب
شبکا وعدہ بہی تمہارا مکر سے خالی نہیں
تفتہ جانوں کو ہمیشہ تفتہ جانوں کا ہی پاس ق
شک بہرتا ہی اگر اسمیں سوادِ شامِ ہجر
صابر ارباب کرم کو ہی برابر قرب و بعد
جا ای نگاہ بہیک کے اشکونمیں سوئے دوست
ناطاقتی سے جان نہ تن سے نکل سکی
بل آگیا مزاج میں اک امرِ سہل پر
دشمن سے دل لئے راہ نکالی ہے آج کل
دونی ہوتی ہے مجکو کدورت رقیب سے
کہتا ہی کچھ بکے نکلتا ہی منہ سے کچھ
خارِ دلِ رقیب کی اتنی ہیں کثرتیں
غصہ سا خفتہ تا ہی صابر جناب کو
رحم ظاہر ہی مگر ظلم کو پنہاں رکھکر
دلِ ویران کو وہیں چھوڑ دیا وحشت میں
آن بیٹھے ہیں وہ خود پہلوئے صابر میں آج

پنبۂ منقوش اک اک استخواں ہو جائیگا
دل ترا سنگِ درِ پیر مغاں ہو جائیگا
شیشۂ عینک زجاجِ آسماں ہو جائیگا
اپنے نزدیک آپکو کہینچا کرے دُور آفتاب
مُنہ نہ پہیریگا ادہر کو تا بمقدور آفتاب
میری آنکھوں کی سیاہی میں ہے مستور آفتاب
نیل کے پینے سے ہوا مشہور انگور آفتاب
کیا کِھلاتا ہی شفق کا مجکو سیندور آفتاب
جانتے ہو ہی ہمارا روئے پرنور آفتاب
چارہ میری زخم کا رکھتا ہی منظور آفتاب
صبح کا آکر لگا دیتا ہے کافور آفتاب
ماہ کو دیتا ہی لئے فرق پرنور آفتاب
پژمردہ تا نہ ہو گلِ روئے نکوئے دوست
مجکو ہوئی حیات ابد آرزوئے دوست
ہوئے میانِ دوست سے نازک ہی خود دوست
شاید گئی ہی راہ ہی سوئے کوئی دوست
جسدن سے دل میں خاک ہوئی آرزوئے دوست
ہی بیقرار میری طرح گفتگوئے دوست
مسدود ہو گئی ہی رہِ جستجوئے دوست
بہیجے کبہی نقیبہ آبِ وضوئے دوست
لائے مقتل میں پر آنکھوں پہ دم لب پہ نکلکر
ہم بیابان کو چلے گھر میں بیاباں رکھکر
دیکھ پچھتائیگا حسرتِ دلِ نالاں رکھکر

ردوں کے ہوں سراغ دوّر اور شکست پر
ہوں مرغ نیم ذبح تری صید گاہ میں
امت تمہاری الغرض انداز سے غضب
گل ترے فراق میں یہ عندلیب دل
صابر یہ مجھسے ضد ہے کہ مرغ شمیم گل

تو نہ جا انجمن وصل سے ترساں ہوکر
ری کثرت اعدا سے تو گھبرا کے کبھی
پ جاتے ہیں تو قسمت کی سیاہی مری
سے انداز محبت کے وہ دیوانے ہیں
ہوگئی رخ کی چمک پردہ چشم اغیار
اسقدر خوش ہوئی اُسکو جی مرجھا جاکر

جھ اضطراب دل سے بنے اپنی جان پر
ہم ناتواں چڑھ نہ سکے اُسکے دہیان پر
یا یہ ہے کہ سر نہ اُٹھائے وبار سے
اللہ ری ضد کہ بیٹھے جو ہم اُسکے در کے پاس
صابر ہماری زیست ہے تصویر موت کی

وں ضعف میں نکلی تری رنجور کی آواز
غش ہو گئیں ابھی حضرت موسیٰ اسے سُنکر
لیا منہ ہے جو غصے میں کوئی مار سکے دم
یوں نشۂ الفت میں ہوں خاموش کہ گویا
شبکو ان وہ نالاں تمہارے در پہ اسکے

رخ کی تابش سے ہے زلفوں کی شکن میں آتش
ذات بنتی ہے حسینونکو خدا اسے زینت

ہوں بلبلانِ باغ سے دور اور شکستہ پر
مضطر ہوں کوہ و باغ سے دور اور شکستہ پر
قمری ہے سرو باغ سے دور اور شکستہ پر
ہے گلشن فراغ سے دور اور شکستہ پر
ہے اسطرح دماغ سے دور اور شکستہ پر

راہ پاؤں سے لپٹ جائیگی داماں ہوکر
اپنے در پر تمہیں بیٹھے گے نگہباں ہوکر
پھیل جاتی ہے سوادِ شب ہجراں ہوکر
اُٹھ جاتی ہیں نگاہیں مری پرّیاں ہوکر
صبر پڑتا ہے مرا آپکا احساں ہوکر
جیسے آباد ہوا ہو کوئی ویراں ہوکر

پر حرفِ آرزو نہیں آتا زباں پر
تہمت فراشی کی ہے اُس بدگمان پر
رکھتے ہو اسلئے نظر اس ناتوان پر
اُلٹا چڑھا مکان کا سایہ مکان پر
مرتے ہیں روز ایک نہ ایک نوجوان پر

اُڑتی سی کوئی جیسے سُنے دور کی آواز
ہے شعلۂ طور اُس بتِ مغرور کی آواز
ہو جاتی ہے قفل دہن اُس حور کی آواز
ہو جائے گرہ حلق میں مخمور کی آواز
ملتی ہے بہت صابر مغفور کی آواز

تمنے اعجاز سے باندی ہے رسن میں آتش
پہنے پیراہن گلرنگ ہے تن میں آتش

زیرِ لب برقِ تبسم ہے ترے خوف سے یہ
کہ نہ پھر جائے کہیں چاہِ ذقن میں آتش
بات کرتے ہو عجب ڈھب سے کہ جی جلتا ہے
کس طرح کہتے نہیں لب اپنے سخن میں آتش
اپنی آتش قدمی کا یہ اثر ہو صابر
کہ جہاں چاہیے ہمراہ ہے نہیں آتش

کب چھپا سکتا ہے نورِ رخِ زیبا برقع
پردۂ دیدۂ بینا ہے تمہارا برقع
غنچہ و گل سے مشابہ ہوئے خوشبوں حباب
دھونے دریا پہ جو آیا ترا میلا برقع
رخ پر اُسکے کوئی برقع ہے نہ چادر نہ نقاب
ہے فقط یار کی غفلت سے کنایا برقع
چشمِ حق بیں سے جو عالم پہ نظر کی ہمنے
ایک عارض پہ نظر آتا ہے صد ہا برقع
وصف کس پردہ نشیں کا یہ لکھا ہے صابر
کہ معانی نے بھی الفاظ کا اوڑھا برقع

یہ نہ سمجھو تم کہ صابر ہم ہیں ناکامِ قلق
صبر تم سمجھے ہو جسکو وہ ہے انجامِ قلق
سیکڑوں طائر پھنسے اور ہو گئے لاکھوں رہا
ہم تڑپتے رہ گئے یوں ہی تہِ دامِ قلق
گنبدِ گردوں کی ہر گردش میں ہے رنگت نئی
کیوں بسر ہوتے نہیں یہ اپنے ایامِ قلق
کب تلک اے چرخ یہ روباہ بازی کب تلک
صبحِ عشرت غیر دیکھیں اور ہم شامِ قلق
تو برا ہی کہہ یہ کچھ منہ سے لیے جا تا صبا
اس سے کچھ تسکین مجھے ہوتی ہے ہنگامِ قلق

ذکر جفا نے حسن بڑھایا وصال میں
مہتاب اُنکے منہ پہ چھپی انفعال میں
سب کی نظر ہے سروِ قدِ خوش جمال پر
آنکھیں لگیں ثمر کی جگہ اس نہال میں
کیونکر نہ رو میں یاد کمر میں مدام ہم
اک بال پڑ گیا ہے یہ چشمِ خیال میں
وہ ہی کہیں نہ دل ہو کہ پہلو میں شکل [illegible]
دنا کچھ چمکتا ہے گردِ ملال میں
آشفتہ زلف و چشم مریض و کمر نحیف
ہم اور تم شریک ہوئے ایک حال میں
ہر [illegible] مثل سایہ پڑے اُس سروقد کے سر
کیا میں بھی مستعد ہوں نمازِ زوال میں
یوسف کہا انہیں تو کہا وجہ شبہ کیا
صابر یہ آپنے غلطی کی مثال میں

پائیں گر تیرے مرقع کے کچھ اوراق آنکھیں
سات پردوں میں رکھیں اتنی ہیں مشتاق آنکھیں
کتنی غارت گری دل پہ ہیں مشتاق آنکھیں
دیں ہیں اللہ نے ظالم تجھے قزاق آنکھیں
ہم نہ کہتے تھے کہ آنکھیں نہ چرا او ہمدم
جنسِ مسروقہ ہوئیں شہرۂ آفاق آنکھیں

نہ نکلتے نشترِ رشک نہ لڑتی جو نظر
ٹھوکریں طالبِ دیدار کو کھلواتی ہیں
تمنے آواز سنائی نہ دکھائی صورت
خواب میں آئے جو وہ مایۂ راحت صابر
نہیں کرتی رفاقت یہ بھی مجھسے تیغِ جانا میں
نہیں قسمت میں جو شاید وہی دو حرف دو گھڑی
کبھی گریاں ہوں فرقت میں کبھی آوارہ غربت میں
مے دیدار بزمِ وصل میں کیونکر پلاؤ گے
جہیں ہی کہ صابر اپنا زورِ طبع دیکھینگے
تری جلوہ کی بڑھتی ہے لطافت چشمِ گریاں میں
ہوا دھوکا جو دیکھی سبز قندیل انگوری لواتیں
چھپا رکھیں گے داغِ سینہ کو ہم وصلِ جاناں میں
کبھی تارِ نفس کٹتا نہیں شبہا گی ہجر انیں
پڑھو صابر کوئی ایسی غزل بزمِ سخندانیں
مکدر ہی رہے آنسو ہمارے دستِ مژگاں میں
کیا تھا آتشِ فرقت کو پنہاں غم وہ آفت ہے
مدام افسردہ خاطر زندگی سے سیر رہتے ہیں
ہنود اکثر نہائی ہر سحر جاتے ہیں دریا میں
سنایا مطلعِ تازہ یہ کہکر میں نے جب ہی بر
ہمیشہ فکر ہے اسکو مری بندش کی ساماں میں
غضب کرتا ہے پرتو حسن کا ان سبزہ رنگوں کی
میرا نہیں اس اسیری کی تلافی سہل کر دینگا
ہوئے بارِ خاطر ضعف سے دستِ جنوں ہمکو

ہو گئیں سنگِ دلِ غیر کو چقماق آنکھیں
رنگتی ہیں نئی ترکیب کی رزاق آنکھیں
کان کا کام بن آیا ہے ہیں مشتاق آنکھیں
کھولنی صور کی آواز سے ہونگی دو آنکھیں
کوئی دشمن ہی جلائے روح شاید جسمِ جاناں میں
رکھوں لوحِ جبیں اُس رشکِ لیلیٰ کو دبستاں میں
کبھی الیاس دریا میں خضر ہوں گر بیاباں میں
رکھا ہے آپ نے مینا ہی پیماں طاقِ نسیاں میں
پڑھیں اک مطلع نکی بھی غزل بزمِ سخندانیں
کہ کھلک اشک میں چھپتا ہے وہ داماں خرگاں میں
کہ سبزی ہلکی ہلکی ہے ضیائے ماہِ تاباں میں
کہ شکلِ صبح اک خورشید رہتے ہیں گریباں میں
نئے جوہر دکھاتی ہے قاتل مری تیغِ گریباں میں
کہ ایسا کوئی گلدستہ نہو گلزارِ رضواں میں
کوئی آبِ گہر کو چھان کیا سکتا ہے دریا میں
کہ لایا موکشاں دودِ جگر کو چشمِ گریاں میں
رسوا ہوتی ہے سردی صبح کو فصلِ زمستاں میں
پھری کیونکر وہ کافر ہماری چشمِ گریاں میں
تفحص تھا مری احوال کا کل بزمِ یاراں میں
مثالِ معنیٔ بے لفظ ہوں میں ذہنِ جاناں میں
کہ ہر ہر گام پر گرتی ہے برقِ سبز میداں میں
نگاہ دو نگاہ تر سی تصویر کو دیوارِ زنداں میں
کہ ایک تار اور گویا بڑھ گیا اپنے گریباں میں

مجھے صابر بنایا کیوں بنا دیتا خالق
ہم عجب زیست کیا کرتے ہیں
یا تو دیکھا ہے کہ اکثر اشخاص
یا جوانی کا مزا لوٹتے ہیں
یا کہ خمخانۂ ہستی سے مدام
ایک ہم ہیں کہ ادھر ہیں نہ ادھر
چلے یہ سوچ کے گھر سے باہر
یعنی واں چلئے کہ جس جائے گزر
ہمنے دیکھا ہے کہ ان لوگوں ہاں
قاعدہ ہے شرفا زادے سب
خدمت حضرت صابر میں گئے
اکتساب ہنر و علم و کمال
ملک کے آداب بجا لایا ہے
کھلے طرفین میں ابواب کلام
دیکھا جب خوب کہ لطف و اشفاق
عرض کی ہمنے کہ قبلہ اب بھی
مستفید اُنسے ہوں حضرت ہم بھی
سُن کے فرمایا کہ اب فکر کجا
شعر کہنا تو رہا دل ہی میں
قتل کنبہ ہوا سارا مجرم
سبھی سامان امارت بگڑے
مٹ گئی طبع کی گرمی ساری
بھائی ہم سے بھی پریشاں خاطر

کر لئے وقت پر آتا تمہاری چشم تر
روز آوارہ پھرا کرتے ہیں
بیٹھکر یادِ خدا کرتے ہیں
خوش نشینوں میں رہا کرتے ہیں
بادۂ عیش پیا کرتے ہیں
تلف اوقات کیا کرتے ہیں
کہ بڑی ہم یہ خطا کرتے ہیں
شعرا و فصحا کرتے ہیں
آدمی جا کے بنا کرتے ہیں
اچھے لوگوں سے ملا کرتے ہیں
کہ وہ نزدیک رہا کرتے ہیں
اُنسے اکثر طلب کرتے ہیں
خورد جس طرح کیا کرتے ہیں
جیسے آپس میں ہوا کرتے ہیں
وہ مرے ساتھ ادا کرتے ہیں
آپ اشعار کہا کرتے ہیں
وصف اکثر سے سنا کرتے ہیں
خونِ دل اپنا پیا کرتے ہیں
اب تو دن رات بکا کرتے ہیں
رات دن غم سے جلا کرتے ہیں
فکرِ روزی میں پھرا کرتے ہیں
نفسِ سرد بھرا کرتے ہیں
کہیں اشعار کہا کرتے ہیں

میرزاپور میں آئے جب سے | روز دہشت میں رہا کرتے ہیں
شعرخوانی کا چرچا ہی یہاں | نہ یہ خواہش شرفا کرتے ہیں
شاعر اچھے ہیں یہاں بھی دوچار | پر وہ بے لطف جیا کرتے ہیں
نہ کہیں ہوتی ہے بزم انشاد | نہ لب نطق کو وا کرتے ہیں
نہ کبھی بزم پہ مرد قابل | جمع اک جا تو ہوا کرتے ہیں
یہاں تو وہ بھی نہیں اے بندہ نواز | روز بیکار رہا کرتے ہیں
کس کے آگے کوئی اشعار پڑھے | کس سے یہ شعر سنا کرتے ہیں
ہاں مگر سامنے ہم انور کے | پچھلے اشعار پڑھا کرتے ہیں
وہ سخن سنج ہیں ایسے اس جا | نکتہ رس جیسے ہوا کرتے ہیں
سن کے البتہ وہ ہر قسم کے شعر | داد کچھ ہمکو دیا کرتے ہیں
سن کے میں نے کہا اے قبلۂ من | آپ ارشاد بجا کرتے ہیں
پر کہیں آپ سے استاد جہاں | کبھی یہ شغل رہا کرتے ہیں
سن کے فرمایا کہ اچھا سنئے | ہم جو بیہودہ بکا کرتے ہیں
اللہ اللہ زباں سے اُن کی | کچھ عجب پھول جھڑا کرتے ہیں
شعر پڑھتے نہیں اپنے گویا | در فردوس کو وا کرتے ہیں

آپ ہم اُن کو خفا کرتے ہیں | اور خفا ہوں تو گلا کرتے ہیں
ہم وہ بلبل ہیں کہ شل نکہت | بے پر و بال اُڑا کرتے ہیں
کوسوں ہو جاتی ہی غائب تاثیر | ہم اگر قصد دعا کرتے ہیں
جان دیں اُن کو جتا کر کیوں ہم | آپ وہ جان لیا کرتے ہیں
اک یہی مونس تنہائی ہے | شورے دل سے ہوا کرتے ہیں
جو نسیم گل پہ بہار آتی ہے | پہلے ہم جان فدا کرتے ہیں

جو دلکو محبت کے مزے آئے ہوئے ہیں | وہ اپنی طبیعت پہ ابھی چھائے ہوئے ہیں
ہر بات پہ اظہار نزاکت ہے حیا سے | ثابت ہی تکلیف بھی کچھ پائے ہوئے ہیں

کچھ تجھے ہیں دل میں سمجھ رکھا ہی تجھو
پھر ملنے کو جی چاہتا ہے یار کا ہم سے
اللہ ری ضد کوٹھے کے چڑھے کو کیا تک
اب دل کو لگاتے ہیں ذرا سوچ سمجھ کر
کچھ در پہ جھکے ہوئے ہیں پیچھے صابر
پہلے نہ اڑایا کسی بیکس کے جگر کو
ہی تیر نگہ بزم عدو میں مری جانب
کچھ بال سفید اُنکے جوانی میں نہیں ہیں
کیوں آتش گل باغ میں ہی تیز کہ ہم آپ
دن رات کا فرق اُن کی محبت میں ہم اُنکو
دل چیز ہی کیا جان بھی دوں عشق میں صابر
واں جاتے ہیں آداب سے ہم اور زیادہ
پڑتا ہے اک تیر نظر کا ترے ظالم
چلنا تری شمشیر کو برش کا سبب ہے
اک چھیڑ چلی جائے محبت ہو کہ رنجش
کھل جائیگا غنچہ دل افسردہ کا صابر

کچھ ہم بھی تہیں فن میں بہرا ہوئے ہیں
ناچار ہیں غصہ میں قسم کھائے ہوئے ہیں
جس روز سے ہم یار کے ہمسائے ہوئے ہیں
دو چار جگہ پہلے جو زک پائے ہوئے ہیں
اُس بزم سے شاید کہ نکلوائے گئے ہیں
پر ہمنے لگائے ہیں ترے تیر نظر کو
غصے میں چھپایا ہی محبت کی نظر کو
ہجر کا شب دیجور پہ ہے نور سحر کو
اُٹھ جائیں گے اے شبنم شاداب سحر کو
وعدہ تو کیا شام کا اور آئے سحر کو
میں نفع سمجھتا ہوں مدام ایسے ضرر کو
تعظیم کو اٹھتے ہیں قدم اور زیادہ
کچھ دور نہیں ملک عدم اور زیادہ
رفتار میں چڑھ جاتا ہی دم اور زیادہ
کچھ اس سے نہیں چلتے ہم اور زیادہ
چھیلے گا اگر ناخن غم اور زیادہ

کہتے ہیں تجھسے یہ آداب کا دستور ہے
چار انگل مرے چہرے سے نظر دور رہے

یہ آئینہ پہ نظر ہے پری لقا ٹھہری
کہ خود پسند و خود آرا و خود نما ٹھہری
یہ کوٹ کوٹ کے شوخی بھری ہی ظالم
کہ ایک دم نہ تری آنکھ میں حیا ٹھہری
دکھائی آنکھ تو محفل میں ہم نہ بول سکے
دہن کا قفل تری چشم سرمہ سا ٹھہری
شب سیاہ میں کیا سہل اس تلک پہنچے
ضیائے عارض روشن جو رہنما ٹھہری
بہانہ جوئے اہل جفا ہی لے صابر
چھپایا اُسے جو خجلت سی منہ چھپا ٹھہری

نہ تجھ سے بات کچھ اے مطلب آشنا ٹھہری
بتاؤں کیا کہ ہر اک پوچھتا ہے کیا ٹھہری

...جو ہم تو زمانے کو رزق پہونچایا
...تے گیا دل اعدا کے خار رستے میں
...قبول پہ تھا منتظر اثر لیکن
...لے سے مد نظر کیا اجل کا استقبال
...نفس تھی سہل پہ اس مضطرب کی نامہ بری
...لے ہیں ہم سے وہ اس شرط پر کہ تیر لیں

ہمارے بخت کی گردش بھی آ گیا ٹھہری
کہ جان راہِ فنا میں نہ ایک جا ٹھہری
ہجوم ہے نہ لبوں پر مری دعا ٹھہری
لبوں پہ رہتی ہے کیوں جانِ مبتلا ٹھہری
کہ ایک دم نہ جہاں میں کہیں صبا ٹھہری
ہمارے صبر کی صابر یہی جزا ٹھہری

...رخ نے ظلم سے توڑے ہیں مکانِ دہلی
...جس طرف دیکھیے ملبہ نظر آتا ہے
...ٹے اور یہی بازار ہوا گرم اسکا
...کے اٹھنے سے یہاں بیٹھ کو جا نہ رہی
...ش سے حق نمک اس کا ہے سب ثابت
...شک گلزار ہے زخم سے تن اک عالم کا
اہل دلی کی سیہ بختی کا غم ہے صابر

ہو رقم خط شکستہ سے بیانِ دہلی
بڑھ گئی اور بھی بربادی نشانِ دہلی
صاف ہے صورتِ آئینہ دکانِ دہلی
ہند میں ظلِ الٰہی سے تھے شہانِ دہلی
کس دہن میں نہ گئی نعمتِ خوانِ دہلی
بن گئی موسمِ گل فصلِ خزانِ دہلی
کہ سیہ پوش ہیں سب حرفِ بیانِ دہلی

...وہی اسنے بگڑ کر وہ کبھی سینے بھی
...تمام سے جا کے مریں واں کہ رکھیں وہ جہاں
...یں جو اکھڑا تو رقیبوں کو بھی جمنے نہ دیا
...ربط اغیار کے چرچے کی قسم کیوں کھاؤں
...تخیلِ لب شیریں کا تمہاری پایا
کی بہت رد و بدل اس نے جو صابر مجھ سی

آپ نے تجھیہ تو بہر کی نہ گئی میں نے بھی
آج سوچی ہے یہ ترکیب نئی میں نے بھی
ایک ایسی ہی وہاں جا کے جڑی میں نے بھی
آئی عالم کی زباں پر تو سنی میں نے بھی
کھائی جی کھول کے یہ تل شکری میں نے بھی
بات مرضی کے موافق نہ کہی میں نے

...کا ہے گاہ کی ملاقات ہے یہ بھی نہ سہی
...منھ دکھاتے ہو تم اک سال میں مثل مہ عید
...خط کا لکھنا بھی گراں ہے تو وہ بھی نہ لکھو
...لطف کبھی حال پہ کرتے ہو ستمگر کے

اور کیا اسکے سوا بات ہے یہ بھی نہ سہی
یہ بھی گر باعثِ اوقات ہے یہ بھی نہ سہی
دور کی حرف و حکایات ہے یہ بھی نہ سہی
اس میں گر قصدِ مساوات ہے یہ بھی نہ سہی

اور کیا دیتے ہو دشنام سوا تم مجھکو
یہی تحفہ یہی سوغات ہے یہ بھی نہ سہی
آہ کرتا ہوں کبھی تنگ ستم سے ہوکر
گر جفا کی یہ مکافات ہے یہ بھی نہ سہی
چھوڑدی آپ نے جب بندہ نوازی صاحب
ایک ظاہر کی عنایات ہے یہ بھی نہ سہی
اور تو کیا ہی فقط ایک خوشی سے ملنا
یہی صابر کی کرامات ہی یہ بھی نہ سہی

ہزار دل کو نقاہت رہی دبائے ہوئے
وہ اب بھی سر پہ ہیں سو آفتیں اٹھائے ہوئے
ہوا بلند پریشانیوں کا جب رتبہ
وہ جمع کرتے ہیں ٹکڑے مرے اڑائے ہوئے
کہیں نہ کیونکہ وہ ہر رنگ میں ہے مجھے پورا
ہزار رنگ کی ہیں تہمتیں لگائے ہوئے
کریں گے سیر ہیں ملک بے مثالی کی
قدم کو حد ترقی سے ہیں بڑھائے ہوئے
وہ منہ چھپا کے نہ بیٹھیں کہ نام اچھلے گا
کہاں تلک میں رہوں بات کو دبائے ہوئے
منہ اٹھاتے ہیں شکووں کی ہم تصور میں
وہ گویا سامنے بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے
ہوا ہی صبر یہ صابر کو نا امیدی سے
کہ جیسے ہو کوئی اپنی مراد پائے ہوئے

ہجر میں چھوٹ گیا خون جگر کھانے سے
زندگی ہو گئی گویا مری مرجانے سے
رند وہ ہوں کہ مری خاک سے خم بنتے ہیں
پاؤں مر کر بھی نکلتا نہیں میخانے سے
سب کو تو نے مے دیدار پلائی ساقی
ایک محروم ہمیں جلتے ہیں میخانے سے
مجھے دیوانہ کو سمجھاتے ہو ناصح سمجھو
اسکو سمجھاؤ سمجھ جائے جو سمجھانے سے
فصل گل آ پہر نہیں آنے کی جنونکی صابر
آپ کے دن کو چلے شہر میں پر لینے سے

تیری طرز ادا وقت سخن کچھ اور کہتی ہے
مری گستاخی اے بیان سخن کچھ اور کہتی ہے
سیہ رنگت جو لیلی کی پہ تم بھی آئینہ دیکھو
بکھر کر رخ پہ زلف پرشکن کچھ اور کہتی ہے
ڈرو اللہ سے دیکھو ستم اپنے نہیں لازم
تمہیں خلق اے بتان سیمتن کچھ اور کہتی ہے
بہار لالہ زار دشت غربت پر ہوں کیا مائل
کہ یہ بوئے گل صبح وطن کچھ اور کہتی ہے
لگا دو آج تم اسپیا ہی اپنی زلفوں کی
کہ میرے داغ سوزاں کی جلن کچھ اور کہتی ہے
چراغ صبح ہے لو زیر پر ہی بھی صابر
ہماری تابش داغ کہن کچھ اور کہتی ہے